

کوئی بات ہے میری

بات میں

از
عمیرہ احمد

کوئی بات ہے تیری بات میں

ڈورنیل تیسری بار بجی تھی جب اس نے جھنجھلایا کر بالآخر اٹھنے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے اس نے رسٹ وایج اٹھا کر ادھ کھلی آنکھوں سے وقت دیکھا صبح کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

اس نے بیڈ سے اٹھ کر سیلپرز پہنے اور پھر شرٹ پہن لی۔ شرٹ پہنتے ہوئے نیل ایک بار پھر بجی تھی اور وہ بری طرح جھنجھلایا ہوا تھا۔ گیٹ پر جو کوئی بھی تھا وہ بڑے تواتر سے نیل بجار ہاتھ اور کافی مستقل مزاج بھی لگتا تھا۔

واچ مین اس وقت اپنے کوارٹر میں ہوتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ دروازہ اسے ہی کھولنا پڑے گا کیونکہ گھر میں اس وقت کوئی نہیں تھا بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے وہ اندر سے نکل آیا۔

پورچ سے گیٹ تک کا فاصلہ طے کرنے کے دوران نیل پھر بجی تھی اور اس بار اس نے عقبی لان سے جیک کو بھونکتے ہوئے بھاگتے دیکھا۔ اس کے گیٹ تک پہنچنے سے پہلے ہی جیک گیٹ پر پہنچ گیا تھا اور اپنے اگلے پنجوں سے گیٹ کو بجاتے ہوئے وہ بڑے زور و شور سے بھونک رہا تھا۔ گیٹ کے نچلے حصے میں لگی ہوئی سلاخوں سے اس نے کسی لڑکی کی ٹانگیں دیکھی تھیں جو کتے کے بھونکنے پر گیٹ سے کافی دور چلی گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ نیل دوبارہ بجتی اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کی چین اتار کر اسے کھول دیا۔

سامنے موجود چہرہ اس کا شناسا نہ تھا۔ وہ انیس بیس سال کی ایک لڑکی تھی جو چادر میں لپیٹی ہوئی تھی۔ دھوپ میں کھڑے رہنے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ بول اٹھی تھی:

”سوری جی میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔“

شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔ وہ اسکی معذرت پر کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا ورنہ وہ اسے بار بار نیل کرنے پر مجبور کیا ہوتا تھا۔

”میں نیچر ہوں، ہم لوگ فیصل آباد سے یہاں ایک شارٹ کورس کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ہم یہ ساتھ والی عمارت میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ وہاں سارے کرچینز ہوتے ہیں لیکن میں مسلم ہوں۔ مجھے دراصل آنکھوں سپارہ چاہئے اگر آپ مجھے دے دیں تو میں پڑھ کر آپ کو واپس کر جاؤں گی۔“

اس نے اس لڑکی کی بات کافی حیرت سے سنی تھی کیونکہ اسے ایسی کسی فرمائش کی توقع ہی نہیں تھی۔ چند لمحوں کے لئے وہ شش و پنج میں پڑا رہا۔

”اوکے میں دیکھتا ہوں۔“ وہ بالآخر کہہ کر واپس مڑ گیا۔

”پلیز ایک منٹ“ وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ دوبارہ اس لڑکی نے اسے آواز دی۔ وہ واپس مڑ آیا۔

”دیکھیں یا تو آپ اس گیٹ کو اندر سے بند کر کے جائیں یا اس کتے کو یہاں سے لے جائیں۔“ اس نے جیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جو بڑے اطمینان سے زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔

”ایک تیسرا راستہ اور بھی ہو سکتا ہے میں آپ کو اندر کیوں نہ لے جاؤں۔“ وہ بے اختیار بولتے بولتے رکا تھا۔

”یہ کچھ نہیں کہتا“ اس نے مسکرا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

”کر تو بہت کچھ سکتا ہے۔“ جواب بہت برجستہ تھا۔ اگرچہ اس لڑکی کی نگاہ ابھی تک کتے پر ہی مرکوز تھی۔

”یہ کرتا بھی کچھ نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر مسکرا کر کہا۔

”پھر بھی آپ گیٹ بند کر کے جائیں۔“ وہ ابھی بھی اپنے مطالبے پر قائم تھی۔

”آپ اندر آ جائیں۔“ اس نے بالآخر اسے پیشکش کر دی۔

”نہیں شکریہ آپ بس مجھے سپارہ لادیں۔“

اس نے اس لڑکی کے انکار پر کندھے اچکائے اور بنا کچھ کہے گیٹ بند کر کے اندر کی طرف چل دیا۔

وہ اندر آ کر سوچ میں پڑ گیا کہ سپارہ اسے مل کہاں سکتا ہے۔ بچپن میں بلاشبہ اسے قرآن پاک پڑھا تھا لیکن اب بہت عرصے سے اس نے کبھی قرآن پاک کی تلاوت ہی نہیں کی تھی۔ غلطی اس کی نہیں تھی وہ بچپن سے چھ سات سال سے امریکا میں تھا اور اس سے پہلے جب وہ پاکستان میں تھا تب بھی اس پر والدین کی طرف سے اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی اور فطری طور پر بھی وہ مذہب سے کچھ دور ہی تھا۔ پھر باہر رہنے سے تو وہ جو سال میں دو بار جیسے تیسے عید کی نماز پڑھ لیتا تھا اس سے بھی گیا تھا۔ اس لئے اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سپارے یا قرآن پاک کہاں تلاش کرے۔ چند لمحے وہ ایسے ہی پریشانی کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر ایک خیال آنے پر اپنی دادی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ دادی باقاعدگی سے نماز پڑھتی تھیں اور ان کے کمرے میں یقیناً قرآن پاک بھی ہوگا۔ کمرے میں داخل ہونے کے چند لمحوں تک متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر تخت پوش کے ساتھ والی الماری کی طرف بڑھ گیا اور الماری کھولتے ہی اس کے سامنے بڑے سلیقے اور نفاست سے رکھے گئے بہت سے سپارے اور قرآن پاک آ گئے تھے۔ وہ سپاروں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ایک دم ٹھنک گیا۔ بے وضو ہونے کا خیال آنے پر اس نے واش روم جا کر ہاتھ دھوئے۔ پھر واپس آ کر وہ آٹھواں سپارہ تلاش کرنے لگا۔ لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ سپاروں کے اوپر عربی اور اردو میں گنتی کے نمبر تھے اور دونوں ہی گنتیاں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ اس نے کچھ اندازہ کرنے کی کوشش کی آٹھواں سپارہ کون سا ہو سکتا ہے۔ لیکن جس مقدس کتاب کو اس نے چھپلے پندرہ سولہ سال سے کھول کر نہیں دیکھا تھا اب اس کے بارے میں کچھ یاد کیسے آ جاتا۔ اس نے ان پاروں کو ویسے ہی رکھ دیا۔

واپس لاؤنج میں آ کر اس نے فریج سے سپرائٹ کاٹن نکالا اور اسے کھول کر پیٹے ہوئے باہر آ گیا۔ جب اس نے گیٹ کھولا تو وہ لڑکی اس کے ہاتھ میں اپنی مطلوبہ چیز کی بجائے سپرائٹ کاٹن دیکھ کر بہت حیران ہوئی تھی۔

”تو پھر آپ سیپارہ کیوں لے رہے ہیں؟“

اسے لگا کہ اس لڑکی کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔ وہ اس کی بات کا جواب نہیں دے سکا لیکن اس نے بڑی ناگواری سے اسے کہا تھا۔
 ”آپ ایسا کریں کہ اندر رکھ آئیں ملازم اندر ہے۔“ وہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا جب اس نے دوبارہ اسے آواز دی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رُک گیا اور نہ اس کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔

”مجھے ایک درخواست کرنی ہے، کیا جتنے دن میں یہاں ہوں کیا آپ کے گھر سے قرآن پاک لے کر پڑھ سکتی ہوں۔“ وہ اسے بس دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے لہجے میں چند لمحے پہلے کی ترشی کی بجائے عجیب سی التجا تھی۔

”Why not (کیوں نہیں) لیکن آپ ایسا کریں کہ ایک قرآن پاک لے جائیں اور جب آپ کو واپس جانا ہو تب آپ واپس کر جائیں۔“ اس نے اس کے سامنے ایک تجویز پیش کی تھی۔

”میں نے یہ سوچا تھا لیکن پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کہاں رکھوں گی۔ وہاں زیادہ تر غیر مسلم ٹھہرتے ہیں اور وہ ہے بھی ان کا مذہبی مرکز وہاں الماریاں تو ہیں لیکن میں وہاں قرآن پاک رکھنا نہیں چاہتی کیونکہ پتا نہیں پہلے وہاں کیا رکھا گیا ہو۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو تکلیف ہوگی لیکن صرف چند دنوں کی تو بات ہے۔ کم از کم مجھے یہ تسلی تو رہے گی کہ قرآن پاک، پاک جگہ پر رکھا گیا ہے۔“

”میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ..... میں تو صرف آپ کی آسانی کے لئے کہہ رہا تھا۔ اگر آپ کو آنے میں کوئی پرہیز نہیں تو ٹھیک ہے..... آپ جب چاہیں آ سکتی ہیں۔“

اس نے بڑے کھلے دل سے اسے آفر کی تھی۔ اس لڑکی نے بڑی ممنونیت سے اسے دیکھا۔ پھر وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر چلی گئی۔ وہ اسے اندر جاتا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اندر سے نکل آئی اور گیٹ کی طرف چل دی۔

”ایکسکوز می! آپ کا نام کیا ہے؟“ اس نے اسے روکا تھا وہ اس سوال پر کچھ ہچکچاتی تھی جیسے وہ جواب نہ دینا چاہ رہی ہو۔
 ”میرا نام مریم ہے“ بالآخر اس نے کہہ دیا۔

”تھینک یو بس یہی پوچھنا تھا“ وہ دوبارہ گیٹ کی طرف چل دی۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



اگلے دن وہ تین بجے آئی تھی۔ آج پھر اسے نیند سے اٹھ کر دروازے پر آنا پڑا۔ اگرچہ اسے گیٹ نہیں کھولنا پڑا تھا لیکن لاؤنج کا دروازہ اس نے ہی کھولا تھا کیونکہ ملازم اس وقت سرونٹ کوارٹر میں موجود تھا اور وہ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ڈور لاک کر گیا تھا۔ ملازم کو اس نے کہا تھا کہ شام تک اسے ڈسٹرب نہ کرے۔

کچی نیند سے جاگتے ہی اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ شاید ملازم کسی کام سے دوبارہ آیا ہے۔ اسی لئے وہ شرٹ کے بٹن بند کیے بغیر ہی نیچے آ گیا۔ لیکن اب دروازہ کھولنے پر اس لڑکی کو دیکھ کر نہ صرف اس کا غصہ بھاپ بن کر اڑ گیا تھا بلکہ اسے بے تحاشا شرمندگی بھی ہوئی

”تو پھر آپ سیپارہ کیوں لے رہے ہیں؟“

اسے لگا کہ اس لڑکی کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔ وہ اس کی بات کا جواب نہیں دے سکا لیکن اس نے بڑی ناگواری سے اسے کہا تھا۔
 ”آپ ایسا کریں کہ اندر رکھ آئیں ملازم اندر ہے۔“ وہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا جب اس نے دوبارہ اسے آواز دی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رُک گیا اور نہ اس کا موڈ بری طرح بگڑ چکا تھا۔

”مجھے ایک درخواست کرنی ہے، کیا جتنے دن میں یہاں ہوں کیا آپ کے گھر سے قرآن پاک لے کر پڑھ سکتی ہوں۔“ وہ اسے بس دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے لہجے میں چند لمحے پہلے کی ترشی کی بجائے عجیب سی التجا تھی۔

”Why not (کیوں نہیں) لیکن آپ ایسا کریں کہ ایک قرآن پاک لے جائیں اور جب آپ کو واپس جانا ہو تب آپ واپس کر جائیں۔“ اس نے اس کے سامنے ایک تجویز پیش کی تھی۔

”میں نے یہ سوچا تھا لیکن پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کہاں رکھوں گی۔ وہاں زیادہ تر غیر مسلم ٹھہرتے ہیں اور وہ ہے بھی ان کا مذہبی مرکز وہاں الماریاں تو ہیں لیکن میں وہاں قرآن پاک رکھنا نہیں چاہتی کیونکہ پتا نہیں پہلے وہاں کیا رکھا گیا ہو۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو تکلیف ہوگی لیکن صرف چند دنوں کی تو بات ہے۔ کم از کم مجھے یہ تسلی تو رہے گی کہ قرآن پاک، پاک جگہ پر رکھا گیا ہے۔“

”میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ..... میں تو صرف آپ کی آسانی کے لئے کہہ رہا تھا۔ اگر آپ کو آنے میں کوئی پرہیز نہیں تو ٹھیک ہے..... آپ جب چاہیں آ سکتی ہیں۔“

اس نے بڑے کھلے دل سے اسے آفر کی تھی۔ اس لڑکی نے بڑی ممنونیت سے اسے دیکھا۔ پھر وہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر چلی گئی۔ وہ اسے اندر جاتا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اندر سے نکل آئی اور گیٹ کی طرف چل دی۔

”ایکسکوز می! آپ کا نام کیا ہے؟“ اس نے اسے روکا تھا وہ اس سوال پر کچھ ہچکچاتی تھی جیسے وہ جواب نہ دینا چاہ رہی ہو۔

”میرا نام مریم ہے“ بالآخر اس نے کہہ دیا۔

”تھینک یو بس یہی پوچھنا تھا“ وہ دوبارہ گیٹ کی طرف چل دی۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



اگلے دن وہ تین بجے آئی تھی۔ آج پھر اسے نیند سے اٹھ کر دروازے پر آنا پڑا۔ اگرچہ اسے گیٹ نہیں کھولنا پڑا تھا لیکن لاؤنج کا دروازہ اس نے ہی کھولا تھا کیونکہ ملازم اس وقت سرونٹ کو اس میں موجود تھا اور وہ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ڈور لاک کر گیا تھا۔ ملازم کو اس نے کہا تھا کہ شام تک اسے ڈسٹرب نہ کرے۔

کچی نیند سے جاگتے ہی اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ شاید ملازم کسی کام سے دوبارہ آیا ہے۔ اسی لئے وہ شرٹ کے بٹن بند کیے بغیر ہی نیچے آ گیا۔ لیکن اب دروازہ کھولنے پر اس لڑکی کو دیکھ کر نہ صرف اس کا غصہ بھاپ بن کر اڑ گیا تھا بلکہ اسے بے تحاشا شرمندگی بھی ہوئی

تھی۔ اس لڑکی نے اسے دیکھتے ہی نظریں جھکالی تھیں۔

”اوہ آپ ہیں..... اندر آ جائیں۔ دراصل میں سو رہا تھا۔“ اس نے تیزی سے اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے جیسے اپنے حلیے کی وضاحت کی تھی۔

”کل تو آپ ساڑھے گیارہ بجے آئی تھیں“ اس نے پوچھا تھا۔ ”ہاں کل سنڈے تھا اس لئے ہمیں جلدی فری کر دیا گیا تھا۔ باقی دنوں میں ہمیں سات سے تین بجے تک کام کرنا ہوتا ہے۔ لیکن شاید میں ٹھیک وقت پر نہیں آئی۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں اگر آپ نہیں بھی آتیں تب بھی مجھے کچھ دیر بعد اٹھنا ہی تھا کیونکہ مجھے فیکٹری جانا تھا۔ سو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔“ اس نے اس لڑکی کی شرمندگی دور کرنے کے لئے جھوٹ بولا۔

”آپ چاہیں تو کل بھی اسی وقت آ جائیں کیونکہ صبح تو میں فیکٹری ہوتا ہوں کل تو میں سنگاپور سے آیا تھا اس لئے فیکٹری جانے کی بجائے سو گیا تھا۔“

وہ دادی کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے تفصیل بتانے لگا۔ اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ سپارو لینے کے بعد جب وہ کمرے نکلی تو اس نے پوچھا۔

”آپ کچھ پینا پسند کریں گی۔“

”نو تھینک یو..... بس مجھے یہی چاہئے تھا۔“

اس لڑکی نے ایک فقرے میں اپنی بات مکمل کی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ دوبارہ آئی تھی اور اس نے دادی کے کمرے میں جا کر سپارو رکھ دیا تھا۔ وہ لاؤنچ میں بیٹھ کر ہی اس کا انتظار کرتا رہا تھا اور اس کے واپس جانے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔

پھر یہ جیسے روزمرہ کا معمول بن گیا تھا۔ وہ آتی سپارو لیتی وہ اسے چائے کافی کی آفر کرتا، وہ انکار کرتی اور چلی جاتی۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آ کر سپارو اپنی جگہ پر رکھ دیتی۔ ان دونوں کے درمیان اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں اسے وہ لڑکی اچھی لگی تھی۔

ایسا بالکل نہیں تھا کہ وہ پہلی لڑکی تھی جو اسے اچھی لگی ہو۔ اس کی زندگی میں بہت سی لڑکیاں آتی رہی تھیں۔ امریکا جانے سے پہلے بھی اس کی بہت سی گرل فرینڈز رہی تھیں لیکن ان کی دوستی نے کبھی جائز حدود کو کراس نہیں کیا تھا۔ لیکن باہر جا کر ہر دوستی آخری حد پار کرتی رہی تھی اور یہ سب اس کے لئے ایک معمول کی بات بن چکا تھا کیونکہ جس طبقے سے وہ تعلق رکھتا تھا۔ وہاں ان سب باتوں کو غیر معمولی نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ ایک عام سی بات تھی۔ پھر اس کے والدین کی طرف سے بھی اس پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور فطری طور پر بھی وہ لڑکیوں کی کمپنی پسند کرتا تھا۔ اس میں ایک خاص قسم کی روڈنریس تھی جس نے اس کی اپیل کو بہت بڑھا دیا تھا۔

خوبصورت تو وہ تھا ہی لیکن اپنی خوبصورتی کو استعمال کرنا بھی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ امریکہ میں بہت سی لڑکیوں کے ساتھ اس کے

تعلقات رہے تھے۔ جینیفر تو دو سال تک اسی کے فلیٹ میں رہی تھی اور اس کی فیملی یہ سب جانتی بھی تھی لیکن انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور واحد زینہ اولاد ہونے کی وجہ سے اسے ہمیشہ ہی بہت اہمیت دی گئی تھی اور اسی لئے وہ بے حد خود سر اور اکھڑ ہو گیا تھا۔ وہ گھر میں کسی سے خاص لگاؤ نہیں رکھتا تھا سوائے اپنے باپ کے..... لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ کسی کی عزت ہی نہ کرتا ہو۔ وہ اپنی ماں اور بہنوں سے ہمیشہ دھیسے لہجے میں ہی بات کرتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اگر کہیں ان کی کوئی غلطی یا خامی نظر آتی تو وہ صاف صاف کہہ دیا کرتا تھا۔ اسے بناوٹ پسند نہیں تھی نہ اپنے گھر والوں کی نہ دوسروں کی..... سنجیدگی اس کے مزاج کا خاصہ بن چکی تھی اور زندگی کے بارے میں وہ اپنے الگ اور واضح نظریات رکھتا تھا جو قدامت پرست لوگوں کے لئے کافی قابل اعتراض ہو سکتے تھے۔ لیکن بہر حال اس کے طبقے کے لئے نئے نہیں تھے۔

پاکستان واپس آنے کے بعد بھی لڑکیوں میں اس کی دلچسپی ختم نہیں ہوئی تھی۔ یہاں بھی لڑکیوں کے ساتھ اس کی دوستی تھی اور بعض لڑکیوں کے ساتھ یہ دوستی تمام جائز حدود پار کر چکی تھی۔ اسے پاکستان واپس آنے کے بعد امریکہ اور یہاں کے ماحول میں کچھ زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ بس یہ تھا کہ جو کام وہاں کھلے عام کر سکتا تھا یہاں وہی کام کچھ احتیاط سے کرنا پڑتا تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ ایسے تعلقات رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت کی عزت اس کے دل سے یکسر ختم ہو گئی۔ اپنی کلاس کی لڑکیوں کو تو وہ بالکل قابل احترام نہیں سمجھتا تھا اور باقی لڑکیوں کے لئے بھی اس کے خیالات زیادہ مختلف نہیں تھے اور بد قسمتی سے جس لڑکی سے بھی اس کا ٹکراؤ ہوا اس نے اس کے ان خیالات کو اور مضبوط کیا تھا۔

جب مریم پہلی بار اس کے سامنے آئی تھی تو اس نے اس لئے کوئی کشش محسوس نہیں کی تھی کیونکہ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھی اور نہ ہی وہ عام طور پر لڑکیوں کی طرح بچی سنوری ہوئی تھی۔ لیکن پھر اس سے چند حرکتیں ایسی سرزد ہوئی تھیں کہ وہ اس میں عجیب سی کشش محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ اسے اس چادر سے باہر بھی دیکھے جو وہ اپنے ارد گرد لپیٹے رکھتی تھی۔ ایک عجیب سا انس اسے مریم سے ہو گیا تھا لیکن بہر حال یہ محبت نہیں تھی۔

پھر ایک دن وہ نہیں آئی۔ وہ شام تک لاشعور طور پر اس کا انتظار کرتا رہا۔ ایک عجیب سی بے چینی اسے لاحق ہو گئی تھی۔ اسی بے چینی میں وہ ساتھ والی عمارت کے سامنے ایک چکر بھی لگا آیا جہاں وہ مقیم تھی اور جہاں اس وقت مکمل سکوت تھا۔

شام کو وہ حسب معمول جاگنگ کے لئے ماڈل ٹاؤن پارک چلا آیا۔ جاگنگ ٹریک پر دوسرے چکر میں اس نے کچھ دور گھاس پر بیٹھی جس لڑکی کو دیکھا تھا وہ مریم ہی تھی۔ اس کے ساتھ چند لڑکیاں اور بھی تھیں اور وہ سب کچھ کھانے میں مشغول تھیں۔ اپنے ساتھ جاگنگ کرتی سارہ کا ساتھ اسے ایک دم زہر لگنے لگا تھا اور وہ اس سے پیچھا چھڑانے کا سوچنے لگا۔ ٹریک کا دوسرا چکر لگاتے ہی اس نے سارہ سے معذرت کر لی تھی کہ اب وہ اکیلا بھاگنا چاہتا ہے اور وہ اس کے اس اچانک بدلے ہوئے رویے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

تیسرے چکر میں وہ بھاگتے ہوئے جگہ کی طرف آ گیا تھا جہاں اس نے مریم کو کچھ دیر پہلے بیٹھے ہوئے دیکھا تھا یہ دیکھ کر اس نے سکون کی سانس لی کہ وہ ہیں بیٹھی ہوئی تھی بلکہ اب اس کے پاس وہ لڑکیاں بھی نہیں تھیں۔ وہ ٹریک چھوڑ کر اس کی طرف چلا آیا۔

قدموں کی آہٹ پر مریم نے اس کی طرف دیکھا تھا اور شناسائی کی چمک اس کی آنکھوں میں لہرائی، پاپ کارن کھاتے ہوئے اس نے

اپنی چادر کو ٹھیک کیا تھا۔

”ہیلو آج آپ کیوں نہیں آئیں“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا تھا۔

”میں آئی تھی لیکن آپ اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ آج سنڈے تھا نا اس لئے میں صبح دس گیارہ بجے آپ کے گھر گئی تھی اس وقت ملازم وہاں پر تھا“ اس نے وضاحت کی اور اس نے بے اختیار اپنا نچلا ہونٹ بھینچا تھا۔ چند لمحوں تک دونوں کے درمیان مزید کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن پھر اس نے دوبارہ گفتگو کا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی تھی۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“

اس کے چہرے کا اضطراب اس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا۔ اس نے نظریں جھکا کر جھکتے ہوئے کہا۔

”دیکھیں میں یہاں اپنے سکول کی ٹیچرز کے ساتھ آئی ہوں اور وہ کسی کام سے گئی ہیں بس چند لمحے تک آ ہی جائیں گی۔ اگر آپ یہاں بیٹھیں گے تو یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

وہ اس کی بات پر چپ سا ہو گیا تھا۔

”آپ نے ماسنڈ تو نہیں کیا“ مریم نے اس کی خاموشی پر سراٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

”اوہ نو کوئی بات نہیں میں دراصل آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ اور کب تک یہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے لاہور میں۔۔۔۔۔؟“

”بس ایک ہفتہ اور“

”او کے ٹھیک Have a nice time“

وہ کہتا ہوا دوبارہ جاگنگ ٹریک کی طرف مڑ گیا تھا۔ وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔ بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اب وہ جاگنگ ٹریک پر بھاگنے لگا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ ہاف بازوؤں والی سفید ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں کھلے گریبان کے ساتھ وہ بہت دلکش لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لئے رشک تھا۔

اس شام ٹریک پر بھاگتے ہوئے اس کی سوچ کا محور وہ لڑکی ہی رہی تھی۔ وہ اسے سمجھ نہیں پایا تھا اور اسے یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ کیا اس کی کشش میں کچھ کمی آگئی تھی کہ وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے میں یوں ناکام ہو گیا تھا۔ اسے کبھی بھی لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوشش نہیں کرنی پڑی تھی۔ لیکن پہلی دفعہ اس کے سامنے ایک ایسی لڑکی آگئی تھی جسے وہ لاشعوری اور غیر ارادی طور پر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگلے دن وہ پھر سہ پہر کو ہی آئی تھی۔ وہ بمشکل سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دروازہ کھولنے آیا تھا۔ دروازہ کھول کر اس نے اسے راستہ دیا اور خود لاؤنج کی ایک چیئر کھینچ کر وہیں بیٹھ گیا۔ اس دن وہ پہلے کی طرح اس کے ساتھ دادی کے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ اسے پاؤں میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند کئے کرسی پر جھولتے ہوئے اس نے اچانک مریم کی آواز سنی تھی۔

”ارے آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا“ اس نے واپسی پر اس کے پاؤں پر بندھی ہوئی پٹی پر نظر پڑتے ہی پوچھا تھا۔ اس نے اس کی آواز پر

آنکھیں کھول دیں۔ مریم نے اب غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا جو بہت زرد تھا شاید اسے بخار بھی تھا۔

”Nothing serious“ بلاوجہ ہی کل رات کو میں لان میں پھر رہا تھا کسی Insect (کیڑے) نے کاٹ لیا۔“

وہ بے اختیار اس کے قریب چلی آئی..... پر تاسف نظروں سے اس کے پاؤں کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

”پاؤں سوچ گیا ہے نا.....؟“

”ہاں کافی زیادہ..... میں ایسے رد عمل کی توقع نہیں کر رہا تھا پھر اوپر سے بخار بھی ہو گیا ہے۔“ وہ واقعی کافی تکلیف میں اور تھکا ہوا تھا۔

”میں آپ کو کچھ لکھ کر دیتی ہوں آپ اسے پانی میں ڈال کر اس وقت تک پانی پیتے رہیں جب تک کہ پاؤں ٹھیک نہیں ہو جاتا۔“

”What؟“

وہ اس کی پیشکش پر بری طرح حیران ہوا تھا۔

”آپ ایسا کیا لکھیں گی جسے پی کر میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

”آپ گھبرا ئیں نہیں میں آپ کو قرآنی آیات لکھ کر دوں گی اس کاغذ کو پانی میں بھگو کر پینے سے آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ بھی

ایک طریقہ علاج ہے۔“

مریم نے جیسے اس کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس نے بڑی غیر دلچسپی سے اس کی بات سنی اور بڑی بے رخی سے اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

”تھینک یو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈاکٹر سے مینڈیج کروا چکا ہوں اور کچھ میڈیسن بھی لی ہے امید ہے شام تک ٹھیک ہو

جاؤں گا۔ ویسے بھی میں اس قسم کی چیزوں پر Believe نہیں کرتا۔“

اس کے لہجے میں وہی فطری اکھڑ پن تھا لیکن اس نے برا مانے بغیر کہا:

”پتا ہے پچھلے سال میرے ہاتھ پر بھی کسی کیڑے نے کاٹ لیا تھا“ اس نے اپنی گلائی اس کے آگے کی تھی جس پر ایک مدھم سا نشان تھا۔

”میرا تو پورا بازو کہنی تک سوچ گیا تھا اور ٹھیک ہونے کو ہی نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بھی بہت سے ڈاکٹرز کو دکھایا تھا۔ پھر کسی نے مجھے کچھ

آیات لکھ کر دی تھیں اور وہی پانی پی کر ٹھیک ہو گئی تھی۔ بعد میں تو مجھے کسی میڈیسن کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔“

وہ بڑے رसान سے اسے بتا رہی تھی اور وہ اتنا اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ اس لئے فوراً بول اٹھا۔

”آپ نے کسی کو الیفانیڈ ڈاکٹر کو نہیں دکھایا ہوگا اسی لئے ٹھیک ہونے میں اتنی دیر لگی۔“ ایک لمحہ کے لئے وہ چپ رہی تھی اور پھر اس کے چہرے پر

خفگی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

”جی نہیں..... میں نے کو الیفانیڈ ڈاکٹروں کو ہی دکھایا تھا۔ دنیا میں یہ سہولت صرف آپ ہی کو میسر نہیں ہے اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔“

ایک دم وہ اسی پرانے تکلف کے ماحول میں سمٹ گئی تھی۔ مزید کچھ کہے بغیر اس نے بیرونی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیا اور اسے عجیب سا بچھتاوا

ہوا تھا۔ اس کی خفگی اسے بے حد عجیب اور بے حد اچھی لگی تھی۔

”آپ تو ناراض ہو گئیں..... میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ بہت سے ڈاکٹر ٹھیک طرح سے ایسی چیزوں کو ٹریٹ نہیں کر پاتے You know یہ کوئی اتنی کامن چیز نہیں ہے۔“

مریم نے چند لمحوں کے لئے رک رک اسے دیکھا اور پھر دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس نے اس کی وضاحت تسلیم نہیں کی تھی۔

”دیکھیں آپ کیا مجھے Verses (آیات) لکھ کر نہیں دیں گی“ اس بار وہ بے اختیار رک گئی تھی اور اس کی طرف مڑ کر اس نے پوچھا: ”لیکن آپ تو ایسی چیزوں پر یقین ہی نہیں کرتے۔“

”ہاں کرتا تو نہیں But let's try ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آخر آپ نے اسے پرستلی آزمایا ہے۔“ اس نے یہ بات صرف اسے خوش کرنے کے لئے کہی تھی ورنہ وہ مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھا اور حسب توقع وہ خوش ہو گئی تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے میں لکھ دیتی ہوں..... میں اس سپارے کو کہاں رکھوں؟“ اس نے بک شیلڈ کی طرف اشارہ کیا۔

”اسے وہاں رکھ دو۔“

”پہچر اور پین کہاں ملے گا؟“ یہ اس کا اگلا سوال تھا۔

”فون کے پاس جو کٹ ہے اس میں دیکھ لو۔“ اس نے اسی طرح چیخ پر بیٹھے بیٹھے ہدایات دیں۔ وہ وہاں سے پہچر اور پین لے کر اس کے پاس چلی گئی اور لاؤنج کے ٹیبل کے قریب کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

”آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں، وہاں صوفہ پر بیٹھ جائیں۔“ اس نے مریم کو کارپٹ پر بیٹھتے دیکھ کر کہا۔ اب اسے اس ساری مصروفیات میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

”نہیں..... میں یہاں ٹھیک ہوں“ اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دے کر ڈائری ٹیبل پر رکھ دی اور اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ایک ہاتھ ڈائری پر جمائے اور ٹیبل پر جھک کر بڑی احتیاط سے کچھ لکھنے لگی۔ اسے یہ پوز بہت دلچسپ لگا تھا۔ اس وقت وہ ایک ایسے سٹوڈنٹ کی طرح لگ رہی تھی جو سالانہ امتحان میں پرچہ سوالات دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے اسے حل کرنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ وہ لکھنے کے ساتھ کچھ پڑھ بھی رہی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے کا ناقابل برداشت درد اب جیسے ختم ہو گیا تھا۔ پھر اچانک اس نے اس کی خاموشی توڑنے کے لئے پوچھا۔

”آپ لکھ کیا رہی ہیں.....“ جواب میں اس نے سراٹھا کر اسی طرح منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور دوبارہ کاغذ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ جیسے دھک سے رو گیا تھا۔ اس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ کچھ عجیب سی بات تھی اس لڑکی میں جسے وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ اسے اس وقت وہ بہت عجیب سی چیز لگی تھی۔ بے اختیار کا اس دل چاہا تھا کہ وہ ہمیشہ یونہی اس کے سامنے رہے۔ ایسا کب ہوا تھا کہ اس نے کسی کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کی ہو۔ ایسا کب ہوا تھا کہ اس نے کسی سے اتنی نرمی برتی ہو۔ لیکن اس وقت وہ بے اختیار یہ

سب کر رہا تھا۔ شاید وہ وقت ہی کچھ انہونیوں کا تھا۔

چند منٹوں کے بعد اس نے اپنا کام ختم کر دیا۔ پھر کاغذ پر پھونک مارتے ہوئے اسے تہ کرنے لگی۔ پھر وہ کارپٹ سے اٹھ کر اس کی طرف آئی تھی۔

”آپ وضو کر کے اسے پانی کی بوتل میں ڈال لیں اور جب بھی پیاس لگے وہی پانی پیئیں جب پانی ختم ہو جائے تو بوتل میں اور پانی بھر لیں۔“

”دیکھیں میں نے اس وقت وضو نہیں کیا اور نہ ہی مجھے وضو کرنا آتا ہے۔“ بڑے اسٹریٹ فارورڈ سے انداز میں اس نے مریم سے کہا تھا۔ اس نے اس کی بات پر کاغذ والا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔

”دوسری بات یہ کہ میں یہاں کا پانی نہیں پیتا ہوں کیونکہ وہ مجھے سوٹ نہیں کرتا۔ میں یا تو ڈسلفائیڈ واٹر پیتا ہوں یا منرل، اب آپ بتا دیں کہ اسے کون سے پانی میں ڈال کر پیوں۔ بلکہ آپ ایسا کریں کہ کچن میں چلیں وہاں پانی کی بائٹل ہیں آپ خود ہی ان میں ڈال دیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ مریم خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ آہستہ آہستہ لنگڑاتے ہوئے وہ اسے کچن میں لے آیا۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ کچن کی لائٹ جلا کر اس نے ریفریجریٹر کھولا اور اس میں سے منرل واٹر کی ایک بوتل نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔ مریم نے بوتل لے کر اس کی سیل توڑی اور اسے کھول کر وہ کاغذ اس میں ڈال دیا پھر بوتل بند کر کے ایک دفعہ اسے ہلایا اور واپس اس کی طرف بڑھادی۔ وہ اتنی دیر میں ریفریجریٹر سے جوس کے دو پیک برآمد کر چکا تھا۔

”آپ نے میرے لئے اتنا وقت ضائع کیا ہے تو پلیز تھوڑی دیر اور بیٹھ جائیں اور جوس پی کر جائیں۔“

”نہیں تھینک یو مجھے اب جانا ہے بہت دیر ہو گئی ہے۔“ اس نے کچن سے قدم باہر بڑھادیے۔ وہ بھی اس کے پیچھے باہر نکل آیا۔ بوتل کو کھول کر وہ پانی کے چند گھونٹ لے رہا تھا جب اس کے آگے آگے چلتی ہوئی مریم کچھ کہنے کے لئے مڑی تھی اور اسے یوں پانی پیتے دیکھ کر ناگواری کی ایک لہری اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

”اس کو اس طرح تو نہیں پیتے“ کافی خفگی سے اسے ٹوکا گیا۔ وہ بوتل بند کرتے کرے رک گیا۔

”تو کیسے پیتے ہیں؟“ چند لمحے اور اس کے سوال پر اسے گھورتی رہی پھر مڑ کر کچن میں چلی گئی وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ گلاس اسٹینڈ سے اس نے ایک گلاس لیا اور اس کے قریب چلی آئی۔

”یہ بائل مجھے دیں“ اس نے خاموشی سے بوتل اس کی طرف بڑھادی۔ اس نے ڈائمنگ ٹیمبل پر گلاس رکھ کر اس میں پانی انڈیلا۔ گلاس کو آدھا بھرنے کے بعد اس نے ایک کرسی کھینچی اور اسے مخاطب کیا۔

”اب آپ یہاں بیٹھ کر بسم اللہ پڑھ کر یہ دعا کریں کہ اللہ مجھے اس تکلیف اور آزمائش سے نجات دے اور پھر یہ پانی تین گھونٹ میں پی لیں۔“ وہ اس کے کہنے پر چیخ پر بیٹھ گیا لیکن بسم اللہ نہیں پڑھ سکا۔ وہ شاید سمجھ گئی تھی اس لیے اس نے اسے بسم اللہ پڑھ کر سنائی تھی۔ جھجکتے ہوئے اس

نے بھی بسم اللہ پڑھ لی تھی اور چانک اسے پتا چلا تھا کہ وہ بسم اللہ بھی بھول چکا تھا۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ وہ دعا دہرائی تھی۔

”اب آپ دائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر آہستہ آہستہ پانی پی لیں۔“ وہ اس کے پاس کھڑی اسے انسٹرکشنز دے رہی تھی اور وہ کسی معمول کی طرح ان پر عمل کر رہا تھا۔

”یہ کوئی عام پانی یا مشروب نہیں ہے جسے آپ چلتے پھرتے ایسے ہی پیتے رہیں۔ اسے پینے کے کچھ آداب ہیں..... اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ واقعی ٹھیک ہو جائیں تو اسے اس طرح پیا کریں جیسے میں نے بتایا ہے ورنہ آپ کا پاؤں ٹھیک نہیں ہوگا۔“

اس نے جیسے اسے ڈرایا تھا۔ پھر وہ لاؤنج میں چلی آئی اور اپنا سپارہ لے کر چلی گئی۔ وہ واپس کمرے میں جانے کی بجائے وہیں لاؤنج میں چلا آیا۔ واپس کمرے میں جاتا تو تھوڑی دیر بعد جب وہ سپارہ واپس کرنے آتی تو اسے دوبارہ نیچے آنا پڑتا اور وہ اس ڈرل کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اسی لئے اس کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آئی تھی اور اسے دیکھتے ہی اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا:

”اب آپ کو کیسا محسوس ہو رہا ہے؟“

”ویل..... مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوا..... ابھی تک ویسے ہی درد ہے۔“

بڑی صاف گوئی سے اس نے جواب دیا تھا۔

”اچھا.....“ وہ جیسے سمجھ گئی تھی پھر شاید اس نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

”کوئی بات نہیں اتنی جلدی درد ٹھیک نہیں ہو سکتا..... ابھی تو تھوڑا سا وقت ہی گزر رہا ہے۔“

پھر وہ سپارہ اندر رکھ کر واپس چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے لاؤنج کا دروازہ لاک کیا اور اوپر کے کمرے میں جانے سے پہلے پتا نہیں کیا سوچ کر وہ بوتل بھی اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ بوتل کو روم ریفریجریٹر میں رکھنے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔ مریم کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

دوبارہ جب وہ بیدار ہوا تھا تو اس وقت کافی شام ہو چکی تھی۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ اس نے رست وارج اٹھا کر ٹائم دیکھا شام کے ساڑھے سات بجے تھے اور وہ پچھلے چار گھنٹوں سے بے خبر سو رہا تھا۔ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھتے ہی پہلا خیال اسے پاؤں کا آیا تھا جسے اس نے ہلایا تھا تو درد کی ایک لہری محسوس ہوئی تھی۔ لیکن بہر حال اب اسے پہلے کی طرح پاؤں میں مسلسل درد نہیں ہو رہا تھا۔ اسے صرف اس وقت درد محسوس ہوتا جب وہ پاؤں کو تیزی سے حرکت دیتا۔ یہ چیز اس کے لئے کافی خوش آئند تھی۔ ورنہ کچھلی پوری رات بیروں کو حرکت نہ دینے کے باوجود وہ درد سے بے قرار تھا اور اسی وجہ سے وہ سلیپنگ پلزلینے کے باوجود بھی ٹھیک طرح سے نہیں سو سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صبح اسے ہلکا ہلکا بخار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس بخار کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔

اس نے لائٹ آن کی اور اپنے پیر کا معائنہ کرنے لگا۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے پاؤں کی سوجن بھی کچھ کم ہو گئی تھی..... اور یہ چیز بڑی مسرت

تھا۔ ورنہ پہلے وہ صرف پاؤں کو زمین پر ہلکا سا ٹکا کر ہی کھڑا ہو سکتا تھا۔ تکلیف سے چھٹکارا پا کر اسے یقیناً خوشی ہو رہی تھی لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ درد سے نجات دلانے میں کس کا ہاتھ تھا..... پانی کا یا میڈیسنز کا۔ رات کو پانی پینے کے باوجود بھی اسے یہ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ واقعی اس پانی کو پینے سے ہی اسے درد سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ آئی تھی اور اس نے پاؤں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہہ دیا۔
 ”بہت حد تک ٹھیک ہے۔ بٹ ٹوٹی ویری فریک مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کے دیئے ہوئے پانی کا کمال ہے یا پھر ڈاکٹر کی میڈیسنز کا۔“
 ”اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میڈیسن لینا چھوڑ دیں آپ کو خود ہی پتا چل جائے گا کہ یہ پانی کا اثر ہے یا میڈیسن کا.....“ وہ اس کی بات پر مسکراتے لگا۔

”اچھا چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتا ہوں“ پھر اس نے اگلے دو دن میڈیسن نہیں لی اور صرف پانی ہی پیتا رہا اور نتیجہ حیران کن تھا۔ چوتھے دن اس کا پاؤں بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ اب اسے چلنے پھرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا اور زخم کو صرف دبانے پر ہی اس میں ہلکا سا درد محسوس ہوتا تھا ورنہ پاؤں بالکل ٹھیک تھا۔ لیکن بہر حال اسے یہ یقین اب بھی نہیں آیا تھا کہ وہ صرف پانی کی وجہ سے صحت مند ہو گیا ہے۔ اسے لگتا تھا کہ شروع میں اس نے جو میڈیسن لی تھی شاید یہ سب اس کا اثر ہے لیکن بہر حال یہ بات اس نے مریم کے سامنے نہیں کی اور اس کے سامنے یہی ظاہر کیا کہ جیسے اسے بھی اس پانی کی کرامت پر یقین آ گیا تھا۔ پاؤں ٹھیک ہوتے ہی وہ پھر اپنی سرگرمیوں کی طرف لوٹ آیا تھا۔

ہفتہ کا دن تھا اور رات کو سونے کے لئے لیٹتے ہوئے اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ صبح اتوار ہے اور وہ جلدی آئے گی اس لئے اس نے آفس دیر سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح جب وہ آئی تھی تو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے حسب معمول اسے چائے کافی کی آفر کی تھی اور حسب معمول مریم نے آفر ٹھکرا دی تھی۔ جب وہ سپارہ واپس کرنے آئی تو وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کئے بیٹھا تھا۔ سپارہ اندر رکھ کر وہ واپس آئی تھی اور اس نے کہا تھا۔
 ”میں نے آپ کو بہت ڈسٹرب کیا لیکن بس آج آخری دن تھا..... کل ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔“
 اس کے چہرے کی مسکراہٹ ختم ہو گئی تھی۔

”آپ لوگ کل جا رہے ہیں.....؟“ اس کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا آپ مجھے اپنا فون نمبر یا ایڈریس دیں گی؟“ وہ اس کی بات پر حیران ہو گئی تھی۔

”وہ کیوں.....؟“ وہ اس کی بات کا مناسب جواب نہیں دے پایا بس کندھے اچکاتے ہوئے اس نے کہا:

”نہیں ایسے ہی۔“

”میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔“ اسے بڑی سختی سے جواب دیا گیا تھا وہ بس اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

”اچھا ایک منٹ ٹھہر جائیں،“ وہ یہ کہہ کر تیزی سے اندر چلا گیا اور وہ حیرانگی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر جتنی تیزی سے وہ اوپر گیا تھا اتنی

ہی تیزی سے واپس آ گیا۔

”یہ آپ کے لئے ہے“ اس نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔

تھا۔ ورنہ پہلے وہ صرف پاؤں کو زمین پر ہلکا سا ٹکا کر ہی کھڑا ہو سکتا تھا۔ تکلیف سے چھٹکارا پا کر اسے یقیناً خوشی ہو رہی تھی لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ درد سے نجات دلانے میں کس کا ہاتھ تھا..... پانی کا یا میڈیسنز کا۔ رات کو پانی پینے کے باوجود بھی اسے یہ یقین نہیں ہو رہا تھا کہ واقعی اس پانی کو پینے سے ہی اسے درد سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ آئی تھی اور اس نے پاؤں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہہ دیا۔

”بہت حد تک ٹھیک ہے۔ بٹ ٹوٹی ویری فریک مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کے دیئے ہوئے پانی کا کمال ہے یا پھر ڈاکٹر کی میڈیسنز کا۔“

”اس کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میڈیسن لینا چھوڑ دیں آپ کو خود ہی پتا چل جائے گا کہ یہ پانی کا اثر ہے یا میڈیسن کا.....“ وہ اس کی بات پر مسکراتے لگا۔

”اچھا چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتا ہوں“ پھر اس نے اگلے دو دن میڈیسن نہیں لی اور صرف پانی ہی پیتا رہا اور نتیجہ حیران کن تھا۔ چوتھے دن اس کا پاؤں بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ اب اسے چلنے پھرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا اور زخم کو صرف دبانے پر ہی اس میں ہلکا سا درد محسوس ہوتا تھا ورنہ پاؤں بالکل ٹھیک تھا۔ لیکن بہر حال اسے یہ یقین اب بھی نہیں آیا تھا کہ وہ صرف پانی کی وجہ سے صحت مند ہو گیا ہے۔ اسے لگتا تھا کہ شروع میں اس نے جو میڈیسن لی تھی شاید یہ سب اس کا اثر ہے لیکن بہر حال یہ بات اس نے مریم کے سامنے نہیں کی اور اس کے سامنے یہی ظاہر کیا کہ جیسے اسے بھی اس پانی کی کرامت پر یقین آ گیا تھا۔ پاؤں ٹھیک ہوتے ہی وہ پھر اپنی سرگرمیوں کی طرف لوٹ آیا تھا۔

ہفتہ کا دن تھا اور رات کو سونے کے لئے لیٹتے ہوئے اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ صبح اتوار ہے اور وہ جلدی آئے گی اس لئے اس نے آفس دیر سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح جب وہ آئی تھی تو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے حسب معمول اسے چائے کافی کی آفر کی تھی اور حسب معمول مریم نے آفر ٹھکرا دی تھی۔ جب وہ سپارہ واپس کرنے آئی تو وہ لاؤنج میں ٹی وی آن کئے بیٹھا تھا۔ سپارہ اندر رکھ کر وہ واپس آئی تھی اور اس نے کہا تھا۔

”میں نے آپ کو بہت ڈسٹرب کیا لیکن بس آج آخری دن تھا..... کل ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔“

اس کے چہرے کی مسکراہٹ ختم ہو گئی تھی۔

”آپ لوگ کل جا رہے ہیں.....؟“ اس کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا آپ مجھے اپنا فون نمبر یا ایڈریس دیں گی؟“ وہ اس کی بات پر حیران ہو گئی تھی۔

”وہ کیوں.....؟“ وہ اس کی بات کا مناسب جواب نہیں دے پایا بس کندھے اچکاتے ہوئے اس نے کہا:

”نہیں ایسے ہی۔“

”میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔“ اسے بڑی سختی سے جواب دیا گیا تھا وہ بس اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔

”اچھا ایک منٹ ٹھہر جائیں“ وہ یہ کہہ کر تیزی سے اندر چلا گیا اور وہ حیرانگی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر جتنی تیزی سے وہ اوپر گیا تھا اتنی

ہی تیزی سے واپس آ گیا۔

”یہ آپ کے لئے ہے“ اس نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کیوں؟“

”اس لئے کہ آپ نے میرا پاؤں ٹھیک کیا تھا اور اس لئے بھی کہ میں آپ سے فریڈ شپ کرنا چاہتا ہوں اور اس لئے بھی کہ مجھے آپ اچھی لگی ہیں۔“

وہ اس کے تاثرات سے بے خبر کہتا جا رہا تھا اور وہ جیسے غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دم پکٹ اس کے ہاتھ سے کھینچ کر زور سے دیوار پر دے مارا تھا۔

”آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے۔ میں تو صرف قرآن پاک لینے کے لئے آپ کے گھر آتی تھی اور آپ.....“

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر غصے میں دروازے کی طرف چل پڑی۔

”مریم آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں“ وہ ایک دم اس کے سامنے آ گیا تھا۔

”آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں..... یہ تو صرف ایک گڈ ول گفٹ تھا اور کچھ نہیں، بلکہ میں پھر بھی ایکسکیز کرنا ہوں۔ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ بہت عرصے کے بعد کسی نے میرے سامنے اس طرح مذہب پر یقین ظاہر کیا ہے جو نیچرلی مجھے اچھا لگا ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔“

وہ وضاحتیں پیش کر رہا تھا اور اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ رہا تھا۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ شاید اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اسے اب یاد آ رہا تھا کہ پچھلے پندرہ دن سے وہ اس سے کتنے مہذبانہ انداز میں پیش آتا رہا تھا۔

”مجھے بھی افسوس ہے کہ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ بس مجھے ایسے ہی غصہ آ گیا تھا۔ آپ نے تو واقعی ہمیشہ اسی طرح میری عزت اور مدد کی ہے۔“

مریم نے کھلے دل سے اس سے معذرت کی تھی، شرمندگی کے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد اس نے مریم سے کہا۔

”اِس آل رائٹ..... آئیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ آؤں۔“ وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی لیکن اب بھی اپنی حرکت پر پشیمان تھا۔

گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اچانک وہ اس سے کہنے لگا۔

”ویسے آئندہ کے لئے ایک مفید مشورہ میں آپ کو دیتا ہوں۔ قرآن پاک سے عقیدت اور محبت اچھی چیز ہے لیکن آئندہ کبھی اس طرح اکیلے کسی کے گھر مت جائیں۔“ وہ ایک دم رک گئی وہ بھی ٹھہر گیا۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھی۔

”ہاں کبھی بھی اکیلے کسی کے گھر مت جائیں اور کسی تنہا مرد کے پاس تو بالکل بھی نہیں چاہے وہ سولہ سال کا بچہ ہو یا سو سال کا بوڑھا۔“

”کیا مطلب.....؟“ اب کی بار وہ ہکا بکار رہ گئی تھی۔

”میرا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہی ہیں۔ آپ اتنے دنوں سے یہاں آ رہی ہیں کیا آپ نے میرے علاوہ یہاں کسی کو دیکھا ہے۔“

اس نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”ملازم تھے تو سہی۔“ مریم نے جیسے خود کو خوش فہمی سے بہلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کی بات پر تمسخرانہ انداز میں ہنس دیا۔

”اچھا ملازم تھے مگر کب، مجھے اچھی طرح یاد ہے جب آپ پہلے دن آئی تھیں تو گیٹ پر واج مین تک نہیں تھا اور ملازم اپنے کوارٹرز میں تھے۔“

”گھر میں کوئی نہیں تھا؟“ اس نے بمشکل سوال کیا تھا۔

”نہیں گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اتنے دنوں میں کیا آپ نے میرے کسی فیملی ممبر کو دیکھا ہے۔ نہیں دیکھا نا، آپ دیکھ بھی کیسے سکتی ہیں کیونکہ وہ

تو یہاں ہیں ہی نہیں..... وہ امریکہ گئے ہوئے ہیں۔ صرف فادر یہاں ہوتے ہیں لیکن وہ بھی صبح نو بجے چلے جاتے ہیں اور پھر رات کو واپس آتے ہیں اور پھر کئی دفعہ ایسا ہوا کہ گیٹ پر واج مین کے علاوہ میرے گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً اس دن جب آپ مجھے وہ پانی والی بنا کر دے رہی تھیں۔“

وہ اطمینان سے کہتا جا رہا تھا اور وہ ہونق بنی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

”پر میں تو صرف چند منٹ کے لئے آتی تھی اور فوراً چلی جاتی تھی۔“ اس نے جیسے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی تھی۔

”ہاں آپ جلدی چلی جاتی تھیں لیکن وہ صرف اس لئے کہ میں آپ کو جانے دیتا تھا۔ ورنہ چاہتا تو آپ کا قیام طویل بھی ہو سکتا تھا۔“

”پر میں قرآن پاک لینے آتی تھی۔“

اس کا لہجہ کمزور اور معذرت خواہانہ ہوتا جا رہا تھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ آپ کس لئے آتی ہیں۔“

”لیکن آپ تو مسلم ہیں..... میں نہیں مانتی کہ آپ میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کر سکتے تھے۔“

اب کی بار وہ کھکھلا کر بڑے دلکش انداز میں ہنسا تھا۔

”آپ کیا سوچتی ہیں یہاں سارے کرائمرنان مسلمان کرتے ہیں؟“

”آپ ایسے تو نہیں لگتے۔“

ایک بار پھر وہ ہنس پڑا تھا۔

”میرے بارے میں آپ کا یہ اندازہ بھی غلط ہے۔ اگر آپ مجھے جانتیں تو یہاں آنے سے پہلے کم از کم ایک ہزار بار ضرور سوچیں اور

اکیلے آتے ہوئے تو شاید لاکھ بار“ وہ اس کی متغیر ہوتی ہوئی رنگت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”آپ نے تو اتنے دنوں سے میرا نام تک پوچھنا گوارا نہیں کیا۔ کسی مہذب آدمی کو بھڑکانے کے لئے تو اتنی بے رخی ہی کافی ہوتی ہے پھر

آج بھی آپ نے بڑا کارنامہ کیا۔ میرا گفٹ اٹھا کر پھینک دیا۔ کمال کیا۔ لیکن آپ دیکھ لیں واج مین آج بھی گیٹ پر نہیں ہے اور اکثر اس وقت نہیں

ہوتا۔ آپ نے جارحیت اس جگہ دکھائی تھی جہاں صرف میں تھا اور کوئی نہیں۔ آپ خود سوچیں اگر مجھے آپ کی اس حرکت پر غصہ آ جاتا تو کیا ہوتا۔“

وہ اس کی بات پر پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ وہ جان گیا کہ اب اگر اس نے کچھ اور کہا تو وہ شاید پھوٹ پھوٹ کر

رونا شروع کر دے گی۔

”آئیں اب میں آپ کو گیٹ تک چھوڑ آؤں۔“

وہ سر جھکائے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

”ویسے آپ کس کلاس کو پڑھاتی ہیں۔“

چلتے چلے اس نے اس سے پوچھا۔

”ون کو۔“ اس نے اتنی ہلکی آواز میں جواب دیا کہ وہ بمشکل سن پایا۔

”آپ کو پڑھانا بھی اسی کلاس کو چاہئے۔ ویسے جو کچھ ابھی میں نے آپ سے کہا ہے وہ اپنے سٹوڈنٹس کو ضرور سکھانا۔“ وہ اس کے طنز کو

سمجھنے کے باوجود بھی چپ ہی رہی۔ گیٹ کی چین اتارتے ہوئے اس نے کہا۔

”اگر آپ نہ رونے کا وعدہ کریں تو ایک بات اور بتاتا ہوں۔“ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”آپ پہلے دن یہاں آئی تھیں اس دن.....“ وہ بولتے ہوئے یک دم رک گیا پھر دھیمی آواز میں اس نے کہا۔

”اس دن میں ڈرنک کر رہا تھا۔“ مریم کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

”اور جس دن آپ مجھے وہ پانی کی ترکیب بتا رہی تھیں اس دن آپ کے آنے سے پہلے میں ڈرنک کر رہا تھا اور میں نے آپ کے بارے

میں وہی سوچا تھا جو کوئی مرد کسی عورت کے بارے میں سوچ سکتا ہے اور آج آپ نے کتنی آسانی سے میری ایکسکلیوژ کو مان لیا حالانکہ میں نے وہ گفت

آپ کو اسی نیت سے دیا تھا جو آپ پہلے سمجھی ہیں اور آپ پتا نہیں اسٹوڈنٹ ہیں یا کیا ہیں کہ ان میں سے کچھ بھی جان نہیں پائیں تو پھر خود کو اتنے رسک

میں کیوں ڈالتی ہیں۔ یا عقل کی ضرورت ہوتی ہے جب دوسرے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں کچھ جان پائیں۔ آپ تو شاید.....“

وہ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی نمی دیکھ کر یک دم چپ ہو گیا۔ اسے پہلی بار اپنے تجربے کی بے رحمی کا احساس ہوا تھا But inspite

of everything I must admit کہ آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں کوئی بد تمیزی نہیں کر سکا۔ شاید میں.....“

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔ آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے سر اٹھا کر آخری بار اسے دیکھا جو بہت گہری نظروں

سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر گیٹ کر اس کر گئی تھی۔

ایک ہفتہ کے بعد اسے اسکول کے ایڈرس پر ایک پارسل ملا تھا۔ اسے بہت حیرت ہوئی تھی کہ اسے اسکول کے ایڈریس پر پارسل کون بھیج

سکتا ہے۔ پارسل کھولتے ہی کرشنن ڈی اور کی ایک بہت خوبصورت اور قیمتی گھڑی نے اسے چونکا دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنا قیمتی تحفہ اسے کون

بھیج سکتا تھا۔ بڑے تجسس سے اس نے پیکٹ میں سے نکلنے والے کارڈ کو کھولا تھا۔ کارڈ پر تحریر لفظوں نے اسے چونکا دیا۔

An ordinary gift for an extraordinary girl who restored my faith in God and the
chastity of woman.

Your humble admirer

Walid Haider

چند لمحوں کے لئے اس کا سانس جیسے حلق میں اٹک گیا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ کس کا بھیجا ہوا تحفہ تھا۔ لیکن پھر وہ اس تحریر کو دوبارہ پڑھنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس نے وہ کام کیسے کیا ہے جس کا وہ ذکر کر رہا تھا۔ ہاں البتہ اس نے اسے ضرور کچھ سکھایا جسے وہ باقی ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

”کبھی کسی مرد کے پاس اکیلے مت جانا چاہے وہ سولہ سال کا بچہ ہو یا سو سال کا بوڑھا۔“

اس نے کیس میں سے گھڑی نکال لی۔

”آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں اس لئے میں آپ سے کوئی بد تمیزی نہیں کر سکا شاید میں آپ سے.....“ کوئی کہہ رہا تھا۔ گھڑی کو گال سے چھوتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

